Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

منٹو: تصورِ امن "یزید" کے اختصاصی مطالعہ کے ساتھ

Manto: Concept of Peace A case study of "Yazid"

*نائلہ مجوکہ

Abstract:
In contemporary political and policy studies the debate around the notions of peace and war has been one of the most urgent ones. The roots of this urgency lie in the globalscale destruction caused by the two world wars that were followed by institutionalization of peace building efforts made by the major political actors in the contemporary world. The quest for perpetual peace is a recent phenomenon which has emerged alongside weapons of mass destruction. Although we have seen an increased concern regarding peace, it has been matched with an ongoing arms race because historically war has been seen as an ultimate reality that needs to be taken into account, whenever peace is under discussion. It is time to start a conversation regarding peace as an alternative rather than a subsidiary phenomenon that is defind in terms of war. This study focuses on the notion of peace as a social phenomenon which provides the most effectiveness for the existence of human societies. We will see human society in its most basic form and its connections with peace and literature. Literature grows out of life, reacts upon life and fed by life. literature and life of a society reflect upon eachother. literature reflects the real pattern of any society and peace is a discource of a better human society.

Keywords: *contemporary, globalscale, institutionalization, phenomenon, conversation, historically, subsidiary*

امن کے متعلق حالیہ برسوں میں ہونے والی تحقیق نے منفی امن اور مثبت امن کے درمیان واضح تقسیم کی لکیر کھینچی ہے۔ منفی امن کی تعریف جنگ کے ساتھ جوڑے جانے اور جنگ کے اختتام کی صورت میں سامنے آنے پر منحصر ہوتی ہے۔ منفی امن بذاتِ خود کوئی چیز نہیں محض عدم جنگ کی صورتِ حال ہے۔ تاہم امن، جنگ کی غیر موجودگی سے بڑا تصور ہے۔

* پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Vol. 4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

انسانی معاشروں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ بہت سے معاشرے جنگوں کے بغیر بھی "امن" کی تعریف پر پورے نہیں اترتے کیونکہ وہاں زندگی کو وہ سکوں میسّر نہیں ہے جو انسان کو بہترین صلاحیتیں بروئے کار لانے کے لیے درکار ہے۔ مثال کے طور پر ترقی پذیر ممالک کی صورتِ حال پر ایک نظر ڈالیں تو علم ہوتا ہے کہ اگرچہ جنگیں نہیں لڑی جا رہیں تاہم "امن" ایک تصور ہی ہے جس کا حصول ناممکن ہے کیونکہ عدم انصاف و عدم مساوات ہی امن کی عدم موجودگی کا باعث ہیں۔ اسی صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے "امن" کی ایسی تعریف کرنے کی ضرورت ہے جہاں امن ایک آزاد اور مستقل بالذات قدر کے طور پر مکمل طور پر اپنی اطلاقات اور اپنے مطالبات کے ساتھ موجود ہو۔

"مثبت امن" کی اصطلاح ناروے کے مقبول ماہر عمرانیات، محقق اور پیس ریسرچر (Peace Researcher) جان گیلٹنگ (Johan Galtung)[۱] نے پیش کی۔ Johan Galtung نے مثبت امن کو منفی امن سے الگ جداگانہ شناخت عطا کی۔ اس نے اپنے تجزیے کی بنیاد تشدد کی اس صورتِ حال پر رکھی جس کے نتیجے میں امن کے حصول کی کاوش لازم تھی۔ Johan Galtung نے تشدد کی مختلف اقسام کو واضح کیا۔ داخلی تشدد (Direct Violence)[۲]، خارجی تشدد (Structural Violence) اور ثقافتی تشدد (Cultural Violence)۔ داخلی تشدد (Direct Violence) میں ذہنی و جسمانی ہر طرح کا تشدد شامل ہے جس کا نشانہ انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی وجہ سے یا ان کے روّیوں کے براہِ راست اثرات کے نتیجے میں بنتا ہے۔ جبکہ خارجی تشدد (Structural Violence) تشدد کی وہ قسم ہے جو معاشرے یا قوم کے افراد پر مختلف گروہوں یا اداروں کے اپنے مفادات کے تحفظ کے نتیجے میں روا رکھا جاتا ہے۔ ثقافتی تشدد (Cultural Violence) کا کینوس وسیع ہے جہاں روایات و رسوم کے نام پر یا مذہبی و قانونی بنیادوں پر انسانوں کی ایسی ذہن سازی کی جاتی ہے کہ وہ اپنے بنیادی حقوق پہچان ہی نہیں پاتے یا انہیں چھوڑ دینے ہی میں عافیت جانتے ہیں۔

جان گیلٹنگ (Johan Galtung) کے نظریئے کے مطابق "داخلی تشدد" کی عدم موجودگی "منفی امن"[۳] کی ذیل میں آئے گی اور "خارجی تشدد" اور "ثقافتی تشدد" سے پاک سماج "مثبت امن" کی منزل کو حاصل کر سکے گا۔ "خارجی تشدد" کے عدم کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ معاشرتی تانا بانا مضبوطی سے تشکیل پا رہا ہے۔ معاشرہ ترقی کر رہا ہے، ارتقا کی جانب گامزن ہے اور "ثقافتی تشدد" کی بیڑیوں سے بھی خود کو آزاد کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ جس کے نتیجے میں سماجی انصاف اور مساوات معاشرے کی اٹوٹ پہچان بن رہا ہے اس لیے "مثبت امن" کے حصول و قیام کی تلاش ایک واضح نصب العین کے حصول کی کوشش ہے۔ "مثبت امن" معاشرتی ردِ اعمال، اداروں کے مابین ہم آہنگی، اداراتی اصول و ضوابط، انتظامی منصفانہ رویے اور اصول و قوانین اور معاشرے کے افراد کے وہ مشترک رویے جو سماجی انصاف و مساوات کو یقینی بناتے اور ہر طرح کے "خارجی تشدد" کی مذمت کرتے ہیں جو کسی بھی سطح پر سماج کے فیبرک کو نقصان پہنچانے کا باعث بنے یا باعث بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ Richard V. Wagner[۴] نے بھی منفی امن اور مثبت امن پر بحث کی

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہے۔ وہ ان دونوں اصطلاحات کا مفہوم ان کے قابلِ حصول مقاصد کی بنا پر اخذ کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے "منفی امن" کی منزل اور حاصل بھی منفی ہی رہتا ہے کیونکہ یہ اپنی اصل میں محض "ردِ عمل" ہے جو کہ منفی صورتِ حال کا یقینی نتیجہ ہے جبکہ "مثبت امن" وہ قدر ہے جو مثبت اقدار کو فروغ دیتی ہے کیونکہ اس کا وجود کسی اور بیانیے کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ انسانی معاشروں کا بنیادی و فطری جزو ہے۔ مثبت امن حاصل کرنے کی کاوش کرنا ایسے سماج کو تشکیل دینا ہے جہاں انسانی زندگی مسرت و آزادی سے ہمکنار رہے اور انسان اپنی اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انفرادی زندگی کے ارتقا کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے حسن و خیر کا باعث بھی بنیں۔ "مثبت امن" کی تلاش اور اس کے قیام کے لیے ہمیں پلٹ کر تیسری دُنیا کے ممالک کے نو آبادیاتی ماضی کو دیکھنا پڑتا ہے۔ "مثبت امن" کا قیام دراصل ایک "مساویانہ" معاشرے کا قیام ہے۔ ماضی کا شعور ہی اس قابل بنا سکتا ہے کہ اس پُر تشدد رویے کو سمجھا جا سکے جس نے تیسری دُنیا کے ممالک کو اپنے باشندوں کے لیے ویلفیئر ٹیسٹ بننے کا موقع ہی نہ دیا۔ تاریخ میں نو آبادیاتی تسلط وہ مکروہ ترین نظام تھا جس نے اپنے زیرِ نگیں معاشروں و ممالک کو اچھی اور مضبوط بنیادوں پر استوار معاشروں کی صورت پنپنے نہ دیا۔ آزادی کے بعد بھی ان میں سے اکثر کے پاس کوئی مثالی نظام موجود نہ تھا جس پر وہ اپنے زوال یافتہ معاشروں کو تعمیر کرتے اور اپنے باشندوں کے لیے منصفانہ نظام قائم کرتے۔

"امن" کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ یہ وہ صورتِ حال ہے جس میں کسی معاشرے کے سب اراکین و اکائیاں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتی اور کام کرتی ہیں۔ اس صورتِ حال میں کسی ایک کے مفاد کسی دوسرے کو زک نہیں پہنچاتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ "امن" کو معاشرے کی ایک اہم اکائی اور بنیادی ضرورت تصور کیا جائے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ "امن" کو ایک آزاد مثبت قدر کے طور پر سمجھا جائے۔ چارلیس ویبل (Charles Webel) نے امن کی تعریف کچھ یوں بیان کی:

> "Active individual and collective self determination and emancipatory empoverment."[۵]

اس تعریف کے مطابق امن محض دو جنگوں کا درمیانی وقفہ نہیں ہے بلکہ یہ انسانی شعور کی آزاد ترجیح ہے جو بہتر انسانی صورتِ حال اور زندگی گزارنے کے لیے بہتر حالات کو چننے پر آمادہ کرتی ہے۔ Johan Galtung کہتا ہے مثبت امن تب حاصل کیا جا سکتا ہے اگر معاشرے کے افراد کے لاشعور میں ایک دوسرے کو زندہ رہنے کا حق دینے کا خیال راسخ ہو۔ معاشرتی تشدد کو روکنے کا راستہ صرف وہ تبدیلیاں ہیں جو معاشرے کو مجموعی طور پر منفی رویوں سے پاک کرنے کی سعی کریں اور پُر امن بقائے باہمی کو فروغ دیں۔ کسی بھی معاشرے میں انصاف، برابری، مساوات اور معاشرتی ناہمواری کو ختم کر کے ہی مثبت امن کو زندگی کی قدر بنایا جا سکتا ہے۔ "مثبت امن" سماجی انصاف و مساوات کی شکل میں کسی بھی امن معاہدے کا اصل منتہیٰ ہے۔ John D. Brewer[۶] اپنے مضمون Soiology and Peace Building میں بحث کرتا ہے کہ درست طور پر سماجی امن کی منزل کو پہنچنے کے لیے منفی امن اور مثبت امن میں توازن پیدا کرنا ضروری ہے۔

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"منفی امن" سے متعلقہ اہداف حاصل کرنے کے لیے یہ یقینی بنانا ہو گا کہ تنازعات دوبارہ سر نہ اُٹھانے پائیں تاہم مثبت امن کا قیام سماجی کایا پلیٹ کا تقاضا کرتا ہے جو اس صورت میں ممکن ہے کہ سماج کے تشکیلی عوامل اس کے لیے تیار ہوں اور ان تنازعات کو ختم کرنے میں دلچسپی رکھتے ہوں جو انسانوں کی طبقاتی تقسیم کا باعث ہوں۔Brewer نے قرار دیا۔

> "Post conflict societies that neglect social redistribution, no matter how successful their political transition, face the problem of frustrated expectations, for they often leave the same level of disparity across the social cleavages as in the past."[۷]

Brewer کے بیان کردہ اس اہم نکتے پر غور کرنا ہو گا کہ وہ منفی امن اور مثبت امن میں توازن چاہتا ہے تا کہ خالص امن کی اس منزل کو حاصل کیا جا سکے جو ہمیشہ قائم رہے اور مکمل معاشرتی مساوات قائم کرنے میں مدد دے۔ "مثبت امن" پر زور دینے کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ "منفی امن" کی حیثیت گھٹ جاتی ہے کیونکہ دونوں مل کر ہی ایک مکمل معاشرے کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ اگر یہ "منفی امن" ہی قائم نہ ہو تو "مثبت امن" کو حاصل یا قائم کرنے کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ بڑھتے ہوئے تنازعات اور سر اُٹھاتی رنجشیں سماج کے وجود کو کھوکھلا کرتی رہیں گی۔ امن کو سماج کی بنیادی قدر قرار دینے اور اس کے درست مفہوم تک پہنچنے کی جستجو انسانی تاریخ میں ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے۔ امن کے قیام کا واضح مقصد ہر طرح کے تشدد کی غیر موجودگی اور تشدد کے بطور ذریعہ یا ہتھیار استعمال کرنے کے تصور سے نجات ہے۔

"امن مطالعات" پر اپنی تحقیق Johan Galtung نے ۱۹۶۹ء میں "Violence, Peace and Peace Research" کے نام سے پیش کی۔ ان کی تحقیق کا بنیادی نکتہ ہے کہ امن دو یا دو سے زیادہ فریقین کے مابین ایک "رشتہ" ہے۔ یہ فریقین افراد ہو سکتے ہیں، مملکتیں اور قومیں بھی، علاقے اور تہذیبیں بھی جو کسی بھی بنیاد پر اپنے آپ کو ایک دوسری سے مختلف و منفرد قرار دیتی ہیں۔Johan Galtung کے بقول "امن" کسی ایک فریق کا استحصال نہیں بلکہ فریقین کے مابین "باہمی رشتے" کا نام ہے۔ امن کی غیر موجودگی کی وجہ Johan Galtung تشدد کی مختلف اقسام کو قرار دیتا ہے یہ اقسام "داخلی تشدد" (Direct Violence)، خارجی تشدد (Structural Violence) اور ثقافتی تشدد (Cultural Violence) ہیں، ان کے دائرہ ہائے کار متعین اور واضح کرنے کے بعد Johan Galtung امن کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے بحث کرتا ہے کہ سماج اور معاشرے کو ترقی کرنے اور انسانی زندگی کو صحت مندانہ سمت میں گامزن ہونے کے لیے "امن" بطور بنیادی قدر درکار ہے۔

"امن تھیوری" کے اس مختصر پس منظر میں جب ہم منٹو کے افسانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ منٹو کے کرداروں کا سماج Structural and Cultural Violence کا شکار سماج ہے۔ جہاں خارج کی قوت ایک ان دیکھے آہنی شکنجے کی صورت موجود ہے۔Johan Galtung کی امن تھیوری ہمیں بتاتی ہے کہ خارجی تشدد (Structural

Vol. 4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

Violence) کی موجودگی افراد کی انفرادی زندگیوں پر Direct Violence کی وجہ بنتی ہے اور یہ خارج کی مزید بڑی سطح پر Cultural Violence کو نہ صرف جنم دے سکتی ہے بلکہ اسے قائم رکھنے کے لیے ہمہ وقت نیا خون بھی مہیا کرتی ہے۔ تقسیم کے عمل کے اثرات جب فکشن کی صورت ہمارے سامنے آتے ہیں تو یہ جاننا مشکل نہیں رہتا کہ یہ اثرات اسی "خارجی اور ثقافتی تشدد" کا نتیجہ اور شاخسانہ تھے۔ ادب حیاتِ انسانی کے سچے تجربوں سے موزوں ترین نقش ابھارتا ہے اور انسان اور اس کے سماج کو جیسا کہ وہ ہے، اپنا موضوع بناتا ہے۔ "امن" سماج کی اس کیفیت کا نام ہے جہاں سماج کے تمام معاملات معمول کے ساتھ مفاہمانہ طور پر چل رہے ہوں۔ اس کیفیت میں معاشرے کے افراد کو سماجی و معاشی مساوات، عدل و انصاف اور بنیادی انسانی حقوق، بنیادی شہری سہولتیں اور بنیادی سیاسی حقوق و تحفظ حاصل ہوتے ہیں۔ امن و آشتی اور معاشرتی ہم آہنگی کے متعلق فنکار بہت حساس ہوتا ہے اور اس کی یہ حساسیت اس کی تحریروں میں نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ "مثبت امن" سماجی انصاف اور مساوات کی صورت ہے اور "مثبت امن" کی تلاش ادب کا مقصد بن جاتی ہے۔ ادب کی تخلیق کے ذریعے فنکار اپنا وہ تصور امن پیش کرتا ہے جو وہ انسانی سماج کے لازمے کے طور پر دیکھنا چاہتا ہے۔ منٹو کے افسانے اس کے کرداروں کو درکار امن کی ضرورت کو واضح کرتے انہیں اپنی اپنی انفرادی زندگی میں طبقاتی، نسلی یا صنفی امتیاز کے جبر کے نتیجے میں کسی نہ کسی "داخلی یا خارجی جبر و تشدد" کا نشانہ بنتے اور ان کے سماج کے "مثبت امن" کی بنیادی قدر سے عاری ہونے کو واضح کرتے ہوئے منٹو کے "تصور امن" کو سامنے لاتے ہیں۔

"یزید" کے نام سے سعادت حسن منٹو کا افسانوی مجموعہ اس وقت سامنے آیا جب فرقہ وارانہ منافرت سے لہولہان آزادی دو الگ الگ مملکتوں کو جنم دے چکی تھی۔ "یزید" کے زیادہ تر افسانے اس وقت لکھے گئے ہیں جب تقسیم و فسادات کے شدید مظالم اور سنگدلانہ بہیمیت وقوع پذیر ہو چکی ہے۔ تقسیم نے ہمسایوں کو دشمن کا چہرہ عطا کیا ہے اور اب ذہنِ انسانی ایک نئی ادھیڑ بن میں ہے کہ نئے دشمن کے چہرے کی پہچان میں کچھ مانوسیت باقی ہے۔ منٹو کے افسانوں میں تقسیم کی اتھل پتھل اور اس کے نادیدہ معنوی امکانات و تاثرات سامنے آتے ہیں۔ منٹو نے تاریخی صداقتوں کو اپنے افسانوں میں روحِ عصر کے طور پر پیش کر کے قاری کو ایک وسیع تناظر سے روشناس کروایا۔

برطانیہ کی سیاسی غلامی سے آزاد ہوتے ہی نئے ابھرتے ہندوستان کا سفر شروع ہی ہوا تھا اور پاکستان کی سیاست ابھی آغاز ہی میں تھی کہ کشمیر کی وجہ سے دونوں ملکوں میں پہلی فوجی جھڑپ ستمبر ۱۹۴۷ء میں ہوئی اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ زیادہ دھار دار، کاٹ دار اور پیچیدہ ہوتا چلا گیا۔ "یزید" بھارت کی جانب سے ملنے والی دریاؤں کا پانی بند کر دینے کی دھمکیوں کے تناظر میں لکھا گیا افسانہ ہے۔ جو اپنی اصل میں تو سیاسی موضوع ہے لیکن دریاؤں کا پانی عام انسانوں کی زندگی کا مرکز ہوتا ہے اور یہ سیاسی دھمکیاں اور چالیں عوام کے ذہنوں پر نفسیاتی اثرات مرتب کرتی ہیں۔ منٹو کا یہ افسانہ حکومتوں کے لیے گئے یا اعلان کیے گئے سیاسی فیصلوں پر سوالیہ نشان بنتا نظر آتا ہے۔

"یزید" کا Locale ہندوستان کی سرحد کے پاس ایک چھوٹا سا پاکستانی گاؤں ہے۔ ابھی فسادات کی خون ریزی سے گزرے تھے اور سانحات کے اثرات نے گنگ کر رکھا تھا کہ ہندوستانی فوجوں کے حملے کا خوف سر پر منڈلاتا نظر آنے

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

لگا۔ نفرت، دکھ اور خوف کے احساس میں جینے والے سیدھے سادھے لوگوں کی یہ سادہ سی داستان ہے۔ وقوعات کا بیان زندگی کی مانند اونچ نیچ کا شکار لیکن رواں ہے۔ ”سن پینتالیس کے ہنگامے آئے اور گزر گئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح موسم میں خلافِ معمول چند دن خراب آئیں اور چلے جائیں۔“ ۸

آغاز ہی میں فسادات کو موسم کی خرابی کے چند دنوں سے مثال دے کر افسانہ نگار نے زندگی کے بڑے کینوس پر چند کریہہ المنظر چھینٹوں کو کم تر کر کے بیان کرنے کی سعی کی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کی جبلت قدرت کے وسیع پس منظر سے ہم آہنگ رہتی ہے اور شدید ترین حالات کے جبر سے گزر کر بھی انسان میں زندگی بسر کرنے کی فطری امنگ باقی رہتی ہے۔ منٹو نے سماج کی خوں ریزی و درندگی اور معاشرتی زندگی کی اتھل پتھل کو فطرت کے قوانین کا ایک جزو گردانا ہے۔ جس طرح افسانہ نگار نے ماحول سے زندگی کی مطابقت کو فطری روپ کے قرب میں بیان کیا ہے ویسے ہی وہ افسانے کے مرکزی کردار ”کریم داد“ کی بابت بیان کرتا ہے:

> ”اس کو معلوم تھا کہ دشمنوں کی طاقت بہت زیادہ ہے مگر ہتھیار ڈال دینا وہ اپنی ہی نہیں ہر مرد کی توہین سمجھتا تھا۔ سچ پوچھیے تو اس کے متعلق یہ صرف دوسروں کا خیال تھا۔ ان کا جنھوں نے اسے وحشی نما انسانوں سے بڑی جانبازی سے لڑتے دیکھا تھا ورنہ اگر کریم داد سے اس بارے میں پوچھا جاتا کہ مخالف قوتوں کے معاملے میں ہتھیار ڈالنا کیا وہ اپنی یا مرد کی توہین سمجھتا ہے تو وہ یقیناً سوچ میں پڑ جاتا جیسے آپ نے اس سے حساب کا کوئی بہت مشکل سوال پوچھ لیا ہو۔ کریم داد جمع تفریق اور ضرب تقسیم سے بالکل بے نیاز تھا۔“ ۹

کریم داد ایک عام انسان ہے۔ بہادری و بے جگری سے لڑنا اس کے کردار کی بنت میں ہے ایسا وہ سوچ سمجھ کر یا مقصد طے کر کے نہیں کرتا، یہی اس کے کردار کا بنیادی پہلو ہے۔ ”ہتھیار ڈال دینا کیا مرد کی توہین ہے؟“ ۱۰

سوال ہے یا خیال۔۔۔۔ افسانے میں نشان زد ہو گیا ہے۔ کریم داد نے تمام تر بے باکی و بہادری کے باوجود اس سوال کا جواب کبھی سوچا ہی نہیں۔ افسانے کے ابتدائی حصے میں ہی قاری کو احساس ہو جاتا ہے کہ سیدھا سادا دکھائی دینے والا کریم داد اقدار کے متعلق آگاہی رکھنے والا اور فطری انسانی دردمندی کا مجموعہ ہے اور یوں وہ ایک غیر معمولی کردار بن کر سامنے آتا ہے۔ جس کے خیالات اپنی داخلی اور ذاتی سوچ کا نتیجہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ اس کے کردار کا سب سے بڑا پہلو گزرے ہوئے واقعات و سانحات پر ماتم کرنے اور لکیر کو پیٹنے کی بجائے مستقبل پر نظر رکھنا ہے۔ جب گاؤں کے لوگ سوگ اور خوف کا شکار تھے۔ بدترین حالات سے گزرنے کے بعد اپنے زخموں کو گنتے اور چاٹتے تھے۔ دشمن کو گالیوں اور کوسنوں سے نواز رہے تھے تو کریم داد شادی کے ارادے باندھ رہا تھا۔ حالانکہ انہی فسادات میں اس کا گھر مال سب تباہ ہو گیا تھا اور اس کا باپ بھی قاتلوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ ”گاؤں کے لوگ ابھی سوگ میں مصروف تھے کہ کریم داد نے شادی کر لی۔ اسی مٹیار جیناں کے ساتھ جس پر ایک عرصے سے اس کی نگاہ تھی۔“ ۱۱

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اس نے یہ شادی بڑے دھوم دھڑکے سے کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فطرت میں معاشرتی و اخلاقی اقدار کے متعلق ایک بے پروائی ایک ادنیٰ سی سنگدلی ہے۔ کریم داد جب جیناں سے اس کے بھائی کی موت کا غم بھلانے کی بات کرتا ہے تو جیناں کو یہ بات بہت ناگوار گزرتی ہے لیکن بعد میں جیناں خود متعجب ہوتی ہے کہ اپنی زندگی کا اتنا بڑا سانحہ وہ کیسے فراموش کرتی جا رہی ہے۔ زندگی کی حرارت سے بھرپور کریم داد کا کردار ہے جس نے افسانے کے پس منظر میں سوگ اور ہلاکت ہونے کے باوجود افسانے کے متن کو بھی زندگی عطا کی ہے۔ کریم داد کا جیناں سے لگاؤ زندگی اور اس کے متعلقات سے از سر نو وابستگی کا اشارہ ہے۔ جنگ و غارت گری کے اس ماحول میں نئی خبر دریاؤں کا پانی بند کرنے کی بھارت کی دھمکی ہے۔ جس نے افواہوں کو بھی جنم دیا ہے اور لوگ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس پر تبصرے بھی کر رہے ہیں۔

Johan Galtung نے اپنی امن تھیوری میں بیان کیا تھا کہ امن انسانی شعور کی آزاد ترجیح ہے جو بہتر انسانی صورتِ حال اور زندگی گزارنے کے بہتر حالات کو چننے پر آمادہ کرتی ہے۔ فرد کے لیے اس کے حلقہ اثر یا طاقت سے باہر کی قوتیں ہوتی ہیں جو اس کی زندگی کے امن پر اثر انداز ہوتی اور اسے تبدیل کر دیتی ہیں۔ پُر امن زندگی کی صورتِ حال میں افراد اپنی انفرادی حیثیتوں میں ایک دوسرے سے تعلقات و برتاؤ رکھتے ہیں اور سماج کے اس منطقے میں انسان بطور فرد اور بطور انفرادی انسان موجود ہوتا ہے۔ یہی افراد کی ذاتی حیثیتوں سے ترتیب پانے اور وجود میں آنے والا منطقہ "امن" کی اس تعریف پر پورا اترتا ہے جس کے مطابق یہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کی اور سب کو آزادانہ اپنی اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کی آزادی کی صورت ہے۔ جہاں ایک کا حق لازماً دوسرے کا استحصال نہیں ہے۔ انسانوں کے لیے اور انسانی معاشروں میں کسی اندیشے کے بغیر انسانی زندگی گزارنے کے لائق صورتِ حال ہی اصل "امن" کی صورتِ حال ہے۔

Johan Galtung کہتا ہے "امن" تب حاصل کیا جا سکتا ہے اگر معاشرے کے افراد کے لاشعور میں ایک دوسرے کو زندہ رہنے کا حق دینے کا خیال راسخ ہو۔ "امن" دراصل کسی بھی قوم یا معاشرے کے معاشرتی تانے بانے کا حصہ ہے اور اسی سیاق میں اہمیت رکھتا ہے۔ "امن" سماجی انصاف و مساوات کی شکل میں کسی بھی معاشرے کا اصل منتہیٰ ہے۔ John D. Brewer[۱۲] اپنے مضمون "Sociology and Peace Building" میں بحث کرتا ہے کہ صحیح طور پر سماجی امن کی منزل کو پہنچنے کے لیے منفی امن اور مثبت امن میں توازن پیدا کرنا ضروری ہے۔ امن سے متعلق اہداف حاصل کرنے کے لیے یہ یقینی بنانا ہو گا کہ فریقین میں تنازعات دوبارہ سر نہ اُٹھائیں تاہم "مثبت امن" کا قیام سماجی کایا پلٹ کا تقاضا کرتا ہے جو اس صورت میں ممکن ہے کہ سماج کے تشکیلی عوامل اس کے لیے تیار ہوں اور تنازعات کو ختم کرنے میں بھی دلچسپی رکھتے ہوں اور انسانوں کی تعصباتی اور طبقاتی تقسیم کے حوالے ختم کرنا چاہتے ہوں۔

"یزید" میں ہم دیکھتے ہیں کہ "منفی امن" اور "مثبت امن" دونوں ہی تا حال دھند میں کھوئے ہیں۔ دُنیا کے نقشے پر اُبھرنے والے نوزائیدہ ممالک بھارت و پاکستان اپنے تنازعات ختم نہیں کر پا رہے اور نت نئی افواہیں پھیل رہی ہیں جو ان دیکھے وسوسے پیدا کرتی ہیں اور انفرادی سطح پر افراد کو وہ ذہنی سکون حاصل نہیں ہے جو مثبت امن کے فروغ کے لیے ضروری ہے۔ "یزید" میں دریاؤں کا پانی بند کیے جانے کی دھمکی یا دھمکی کی افواہ نے گاؤں والوں کو ایک کشمکش کا شکار کر دیا

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہے اور ان کی جذباتی دُنیا میں ہلچل مچادی ہے۔ اپنے اپنے فہم کے مطابق وہ دشمن کی اس دھمکی کے متعلق بے خوف ہونا بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور مضطرب بھی ہیں۔ زراعت پیشہ سماج کے لیے دریا کا پانی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ممالک جن کی بیشتر آبادی زراعت پیشہ ہے ان کی زندگیوں اور معاش کا دارومدار براہِ راست دریاؤں کے پانی پر ہوتا ہے۔ ۱۹۸۷ء میں World Commission on Environment and Development (WCED) [۱۳] نے ایک رپورٹ جاری کی جس کا عنوان "ہمارا مشترکہ مستقبل" (Our Common Future) تھا جس میں پائیدار انسانی ارتقا اور ماحولیاتی تحفظ کو ایک دوسرے پر منحصر قرار دیا گیا ایسے ممالک جن کے دریا مشترک ہوں، ان کے درمیان جنگ بھڑک اُٹھنے، تنازعہ جنم لینے اور عوامی سطح پر بے چینی پھیلنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ خاص طور پر اگر وہاں کے حکومتی نظام ابھی نوزائیدہ ہوں۔ سماج میں طبقاتی تقسیم گہری ہو اور زرعی صورتِ حال اور لوگوں کا زراعت پر انحصار زیادہ اور براہِ راست ہو جو پانی کی کمی بیشی سے براہِ راست متاثر ہوتا ہو۔ Wolf A نے "واٹر وارز" (پانی پر لڑی جانے والی جنگیں) پر اپنی تحقیق میں قرار دیا۔

> " .....environmental changes can increase the risk of violent conflict and social instability within countries where governance systems are in transition, level of inequality are high, and social-ecological systems are highly sensitive to environmental change." [۱۴]

Wolf A کے مطابق کمزور حکومتوں کے زیرِ سایہ معاشرے جہاں انسانی زندگیاں قدرتی وسائل پر انحصار کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ ان ممالک میں پانی کی کمی بیشی براہِ راست معاشرے کے مختلف طبقات میں معاشی تفرقے کا باعث بنتی ہے اور خطوں اور علاقوں میں وسائل پر جھگڑے سر اُٹھاتے اور انسانوں میں گروہ بندیوں کا باعث بنتے ہیں۔ معاش اور ذریعہ معاش پر لگنے والی ضرب ان کے درمیان تفرقے کا بیج بوتی ہے جو موقع پا کر چنگاری سے آتش فشاں بن جاتا ہے۔

افسانے میں سامنے آنے والے تمام تبصروں کے پس منظر کے ساتھ افسانہ نگار جیناں اور کریم داد کے ہونے والے بچے کی آمد سے متعلق بھی قاری کو اطلاع دے رہا ہے۔۔۔۔ یہ گویا تاریکی میں رجائیت کی کرن ہے اور زندگی کی کامیابی ہے۔ "تمھیں خوشی سوجھتی ہے۔۔۔۔ جانے یہاں کیسی کربلا آنے والی ہے۔" [۱۵]

"کربلا" استعارہ ہے پانی بند ہونے کا اور غم کا اور موت کے ماتم کا، کربلا اور خوشی میں تضاد ہے لیکن "کربلا آنے والی ہے"، آتی نہیں جبکہ خوشی کریم داد کے بچے کی صورت آجاتی ہے۔ جنگ سرحد کے دونوں اطراف عوام کے ذہنوں میں بھی چلتی جارہی ہے۔ ایک طرف وہ جوش و جذبے کا شکار ہوتے ہیں اور دوسری طرف آنے والے وقت کی دھندلی تصویر طرح طرح کے اندیشوں کو جنم دیتی ہے۔ جنگ کا خوف نفرت و حقارت کو جنم دیتا ہے۔ زندگی بے رحم ہے اور دشمن بے درد ہوتا ہے اس لیے کریم داد چودھری کو گالی دینے سے روکتا ہے:

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"ماں کی ایک بہت بڑی گالی چودھری کے منہ میں پھنسی کی پھنسی رہ گئی۔ اس نے پلٹ کر ایک عجیب انداز سے کریم داد کی طرف دیکھا جو سر پر اپنا صافہ ٹھیک کر رہا تھا۔

"کیا کہا؟"

کریم داد نے آہستہ سے مگر مضبوط آواز میں کہا۔"

"میں نے کہا گالی نہ دے کسی کو۔" ۱۶

ایسا کہنا کریم داد کے کردار کی شرافت یا بزدلی نہیں اس لیے یہ پوچھنے پر کہ دشمن اس کے کیا لگتے ہیں وہ صاف اور واضح الفاظ میں جواب دیتا ہے:"میرے کیا لگتے ہیں۔۔۔۔ میرے دشمن لگتے ہیں۔" ۱۷

کریم داد زندگی کو اس کے اصل رنگ میں دیکھ سکتا ہے۔ دریا کا پانی بند کر دینے جیسے ایک غیر انسانی عمل اور پاگل پن کے ہاتھوں کچھ انسانوں کے فیصلوں سے دوسرے انسانوں پر کیا گزرتی ہے؟ دشمنی کس طرح انسانیت سے عاری ہوتی ہے؟ اور انسانی اقدار سے یہ دوری ہی "امن" کی تمام تر صورتِ حال کے لیے تباہ کن ہے۔ کریم داد کی سوچ کا اصل مرکز یہ نکتہ ہے:

"کریم داد نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور کہا:

"میں جب بھی یہی کہوں گا چودھری۔۔۔۔ تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ صرف وہ ہمارا دشمن نہیں ہم بھی اس کے دشمن ہیں۔۔۔۔ اگر ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم نے بھی اس کا دانہ پانی بند کر دیا ہوتا۔۔۔۔ اب جبکہ وہ ایسا کر سکتا ہے اور کرنے والا ہے تو ہم ضرور اس کا کوئی توڑ سوچیں گے۔۔۔۔ بے کار گالیاں دینے سے کیا ہوتا ہے۔ دشمن تمہارے لیے دودھ کی نہریں جاری نہیں کرے گا چودھری نتھو۔۔۔۔ اس سے اگر ہو سکا تو وہ تمہارے پانی کی ہر بوند میں زہر ملا دے گا۔۔۔۔ تم اسے ظلم کہو گے، وحشیانہ پن کہو گے، اس لیے کہ مارنے کا یہ طریقہ تمھیں پسند نہیں۔۔۔۔ عجیب سی بات ہے کہ لڑائی شروع کرنے سے پہلے دشمن سے نکاح کی سی شرطیں بندھائی جائیں۔۔۔۔ اس سے کہا جائے کہ دیکھو مجھے بھوکا پیاسا نہ مارنا۔۔۔۔ بندوق سے اور وہ بھی اتنے بور کی بندوق سے، البتہ تم مجھے شوق سے ہلاک کر سکتے ہو۔۔۔۔ اصل بکواس تو یہ ہے کہ۔۔۔۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو۔" ۱۸

کریم داد کی سوچ ارضی اور ٹھوس ہے۔ معروضی واقعہ نگاری کے ذریعے افسانہ نگار نے کریم داد کی داخلی کشمکش کو بھی واضح کیا ہے۔ افسانہ نگار کے پیش نظر کریم داد کے کردار کو ابھارنا نہیں بلکہ اس کی سوچ کے ذریعے ایک بظاہر چھپی ہوئی حقیقت کو سامنے لانا ہے۔ چوپال سے لوٹنے کے بعد کریم داد جب گھر پہنچتا ہے تو بختو دائی اسے بیٹا پیدا ہونے کی خوش خبری سناتی ہے اور اچھا سا نام تجویز کرنے کو بھی کہتی ہے:

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"کریم داد گھر کی ڈیوڑھی میں داخل ہو ہی رہا تھا کہ اندر سے بختو دائی باہر نکلی۔

کریم داد کو دیکھ اس کے ہونٹوں پر پوپلی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔

"مبارک ہو کیمے، چاند سا بیٹا ہوا ہے۔۔۔۔اب کوئی اچھا سا نام سوچ اس کا۔"

نام۔۔۔؟ کریم داد نے ایک لحظے کے لیے سوچا "یزید"۔۔۔۔"یزید"، بختو دائی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔" ۱۹

کریم داد بچے کا نام یزید کیوں رکھنا چاہتا ہے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے "محمد اسلم پرویز" لکھتے ہیں:

"مجھے شک ہے یزید نام تجویز کرنے میں کریم داد کہیں یزید اور حسین علیہ السلام کی Destiny کو ساجھا کرنے کا خواہش مند تو نہیں؟ یہی موڑ ہے جب افسانہ ہند و پاک کی آپسی جنگ کے تناظر سے نکل کر ایک ہمہ گیر انسانی صورتِ حال میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یزید جو ہلاکت اور بربادی کا استعارہ ہے اس افسانے میں حیات و تجدید کا استعارہ بن رہا ہے۔ منٹو یہاں ہلاکت کے بطن سے زندگی کے جنم کی بشارت دے رہا ہے۔" ۲۰

"جیناں کی آواز بہت نحیف ہو گئی۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو کیمے۔۔۔۔یزید۔۔۔۔؟"

کریم داد مسکرایا "کیا ہے اس میں۔۔۔۔نام ہی تو ہے۔"

جیناں صرف اسی قدر کہہ سکی، "مگر کس کا نام"، کریم داد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ضروری نہیں کہ یہ بھی وہی یزید ہو۔۔۔۔اس نے دریا کا پانی بند کیا تھا یہ کھولے گا۔" ۲۱

وہ یزید جو دریا کا پانی بند نہ کرے بلکہ کھول دے۔۔۔۔زندگی کا استعارہ بنتا ہے۔ یہاں افسانہ نگار اپنے پورے تصورِ زندگی اور تصورِ امن کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ افسانے کی صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب مشرقی پنجاب (انڈیا) اور مغربی پنجاب (پاکستان) کے درمیان دریا کی پانی کی تقسیم کے عارضی معاہدے کے خاتمے پر یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو بھارت نے پاکستان کے رُخ بہنے والے دریاؤں کا پانی بند کرنا شروع کیا تو افسانہ "یزید" کے کریم داد نے اس سنگین مسئلے کا حل اسلامی تاریخ کے ایک مردود کردار کی ایک نئی شناخت میں تلاش کیا۔ یزید کی نئی شناخت، شناخت کے رائج تصور سے بُری طرح متصادم ہے۔ نیز یہ اس قدر مبہم و مشکوک اور پیچیدہ یعنی Problematic ہے، جس قدر پاکستان و بھارت کے باہمی روابط۔ ہر چند یزید کی اس شناخت کا، پاک بھارت تعلقات سے تمثیلی رشتہ ہے۔ اس کے باوجود یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کریم داد کو یزید کی نئی شناخت کی تحریک کیوں کر ہوئی؟ کیا منٹو نے محض چونکانا چاہا ہے یا افسانے میں نئی قومی

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

شناختیں حاصل کرنے والے ملکوں کے پہلے بڑے جھگڑے کا ایک ممکنہ حل پیش کیا گیا ہے یا اس جھگڑے کی نوعیت واضح کی گئی ہے۔" ۲۲

کیا یہ کردار باغی ہے یا عام انسانی عقل و دانش کے طے شدہ مروجہ پیمانوں سے ہٹ کر سوچ رہا ہے۔ وہ نئے امکانات دریافت کر رہا ہے۔ اس کے سامنے عصری زندگی کی کشمکش ہے لیکن وہ روایت کو تبدیلی کا سبق دینا چاہتا ہے اور بنے بنائے سانچوں کے اصول سے ہٹ کر سوچتا ہے۔ کیا اخلاقی پیمانوں کا کوئی تعلق صورتِ حال کی درپیش نوعیت سے ہوتا ہے یا ایک مرتبہ طے پا جانے والے پیمانے تغیّر سے آشنا ہو سکتے ہیں؟ تاریخی شعور سے ہٹ کر کوئی پیمانہ طے کیا جا سکتا ہے؟ انسانی وجود اور انسانی زندگی ہمہ وقت تبدیلیوں سے روشناس ہوتی رہتی ہے۔ پہلے سے بنے بنائے سانچے اور اصول انسان کے انتخاب کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں لیکن کیا یہاں تخریب اس کا چناؤ ہے یا تعمیر؟

وہ یزید جو دریا کا پانی بند نہ کرے بلکہ کھول دے۔۔۔۔ یہاں افسانہ نگار Taboos کو ضرب لگا رہا ہے۔ معاشرتی ترقی کے اشاریوں میں Taboos کو توڑنا ضروری گردانا جاتا ہے۔ سماجی Taboos نے انسان کے لیے زندگی کو پُر امن طریقے سے بسر کرنا مشکل بنا دیا ہے اور مساوات کی شکل دھندلا رہی ہے۔ Taboos بڑی حد تک تعصبات پر استوار ہوتے ہیں افسانے کا انجام ہمارے سامنے کریم داد کے ہر عمل کی وضاحت پیش کرتا اور اس کی سوچ کے ان زاویوں سے روشناس کرواتا ہے جو بادی النظر میں مخالفانہ اور نہ سمجھ میں آنے والے ہیں۔ اس کی سوچ کا ہر موڑ اور کہانی کا ہر اتار چڑھاؤ اختتام میں تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ یزید کی منفیت کو پیچھے دھکیل کر زندگی کے معنی خیز امکانات کی طرف لے جانے کی سعی ہے۔ محمد اسلم پرویز انہی امکانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

> "یزید کے غیر انسانی اور غیر اخلاقی کرتوت کو دھندلا کرنا بجائے خود دیوانگی کی ایک Morbid جہت ہے۔ یہاں ہونے والے بچے کو یزید کی حیثیت سے Tag کرنے کا مطلب یزید کے نام سے منسلک منفیت کو دھندلا کرنا قطعی نہیں ہے۔ یہاں منٹو کا موقف یہ ہے کہ وہ نام جو علامت اور استعاروں میں ڈھل کر ایک خاص معنی دینے لگتے ہیں اس کے جبر کو توڑ کر زندگی کے معنی خیز امکانات سے اسے روبرو کرنا چاہیے۔ تقدیر کی بدنصیبیوں سے آزاد ہونے کے لیے تاریخ کے زنداں سے نکلنا ضروری ہے۔ بقول وارث علوی منٹو کو Humanism کی نہیں زندگی کی نئی تفسیر کی تلاش تھی اور ظاہر ہے جب کافر اور مومن دونوں ہی یکساں عصبیت کا شکار ہوں تو نظری تشدد کا جواب دردمندی اور کریم النفسی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔" ۲۳

یہ انفرادی ذمہ داری کا تصور ہے جو چیلنج کرتے ہوئے بھی بغاوت و تخریب نہیں ہے بلکہ Johan Galtung کے نظریے کے مطابق "مثبت امن" کی کوشش ہے۔

حواشی:

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۱۔ جان گیلٹنگ "Johan Galtung" ناروے کے مقبول ماہر عمرانیات تھے۔ ۱۹۵۹ء میں قائم کیے جانے والے Peace Research Institute, Oslo کے اہم بانی رکن تھے۔ وہ اس انسٹیٹیوٹ کے پہلے ڈائریکٹر تھے اور ۱۹۷۰ء تک اس عہدے پر رہے۔ ۱۹۶۴ء میں اس ادارے سے Journal of Peace Research کا اجرا بھی کیا۔

۲۔ Direct Violence (داخلی تشدد)

Structural Violence (خارجی تشدد)

Cultural Violence (ثقافتی تشدد)

Johan Galtung نے ۱۹۶۹ء میں Journal of Peace Reserach میں شائع ہونے والے اپنے تحقیقی مقالہ "Violence, Peace and Peace Research" میں Violence کی مختلف اقسام کی وضاحت کرتے ہوئے یہ اصطلاحات متعارف کروائیں۔

Galtung J., "Violence, Peace and Peace Research", Journal of Peace Research, 6(3), 1969, p. 167-191

۳۔ Ibid

۴۔ Richard V. Wagner" ,(رچرڈ وی ویگنر) Distinguishing between Positive and Negative Approaches to Peace", Jouranl of Social Issues, 07/1988

۵۔ Webel Charles and Johan Galtung ,(ویبل چارلس اور جان گیلٹنگ) A Handbook of Peace and Conflict Studies, Londong, New York, Routledge, 2010

۶۔ John David Brewer:(جان ڈیوڈ بریور) An Irish-British Sociologist, A Former President of the British Sociological Association (2009-2012) A Professor of Post-Conflict Studies, A Member of the United Nations Roster of Global Experts for his Work on Peace Processes.

http://www.wikipedia.org

۷۔ Brewer, John D., "Sociology and Peacebuilding", Routledge Handbook of Peacebuilding, Edited by Roger MacGinty, London, Taylor and Francis Books, 2013, p. 159-170

۸۔ سعادت حسن منٹو، "یزید"، مشمولہ منٹو نامہ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ص: ۹۹

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۰۰

۱۲۔ Brewer, John D., "Sociology and Peacebuilding", Routledge Handbook of Peacebuilding, Edited by Roger MacGinty,

p. 159-170

Vol.4 No.4 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۱۳۔ Paul Ekins ,(پال ایکنز) A New Worldorder: Grassroots Movements for Global Change, (London: Routledge, 1992), p. 14-17

۱۴۔ Aaron T. Wolf,(آیرن ٹی وولف) Water Wars and Water Reality: Conflict and Cooperation Along International Waterways. In S. Lonergan (Ed)., "Environmental Change, Adaptation and Security", Dordrecht, Kluwer, p. 251-265

۱۵۔ سعادت حسن منٹو، "یزید"، مشمولہ منٹونامہ، ص:۱۰۵

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً، ص:۱۰۸

۲۰۔ محمد اسلم پرویز، افسانوں کے درمیان، منٹو کے افسانے اور تجزیے، (نئی دہلی: ایم۔ آر پبلی کیشنز، دریاگنج، ۲۰۱۸ء)، ص:۲۴۱

۲۱۔ سعادت حسن منٹو، "یزید"، مشمولہ منٹونامہ، ص:۱۰۸

۲۲۔ ناصر عباس نیرّ، اُردو ادب کی تشکیل جدید (نو آبادیاتی اور پس نو آبادیاتی عہد کے اُردو ادب کے مطالعات، (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۶ء)، ص:۲۰۶

۲۳۔ محمد اسلم پرویز، افسانوں کے درمیان، منٹو کے افسانے اور تجزیے، ص:۲۴۲

ماٰخذ:

۱۔ محمد اسلم پرویز، افسانوں کے درمیان، منٹو کے افسانے اور تجزیے، نئی دہلی: ایم۔ آر پبلی کیشنز، دریاگنج، ۲۰۱۸ء۔

۲۔ ناصر عباس نیرّ، اُردو ادب کی تشکیل جدید (نو آبادیاتی اور پس نو آبادیاتی عہد کے اُردو ادب کے مطالعات، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۶ء۔

۳۔ Brewer, John D., "Sociology and Peacebuilding", Routledge Handbook of Peacebuilding, Edited by Roger MacGinty, London, Taylor and Francis Books, 2013.

۴۔ Paul Ekins, A New Worldorder: Grassroots Movements for Global Change, London: Routledge, 1992.

۵۔ Wolf A., Water Wars and Water Reality: Conflict and Cooperation Along International Waterways. In S. Lonergan (Ed)., "Environmental Change, Adaptation and Security", Dordrecht, Kluwer.